از: ڈاکٹر محمد حسن قادری بریلوی *

سادات نومحلہ کی بریلی تشریف آوری

جنگ آزادی میں سادات نومحلہ کا حصہ اور انگریزوں کے مظالم، محلہ نومحلہ کی تاریخ

افغانیوں کا ایک قبیلہ بڑہیچ ہے جس میں کئی انبیائے کرام اور بہت سے عظیم المرتبت عاملین اور کاملین اولیائے کرام ہوئے ہیں، والئی روہیل کھنڈ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں اسی قبیلے کے ایک معزز و مؤقر فرد تھے، یہ قبیلہ ہمیشہ سے سادات کرام کی انتہائی عزت و توقیر کرتا رہا ہے اور اس کی قدر دانی کرنا اپنے لیے اعزاز سمجھتا ہے (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے ہے، یہ گھرانا سادات کی عزت و تکریم کے معاملہ میں آج بھی ضرب المثل ہے) چنانچہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کا جب ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے علاقہ کٹھیر پور جو بعد میں روہیل کھنڈ ہو گیا پر تسلط قائم ہوا تو سادات کے ساتھ حسن سلوک کے باعث اطراف و اکناف عالم اسلامی سے صحیح النسب سادات کے اکثر قبائل اور پیرزادے روہیل کھنڈ میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے، حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں نے ان سب کو وظائف، جاگیریں اور حویلیاں نذر کیں تا کہ کمال اطمینان سے گزر اوقات کر سکیں، مذکورہ سادات کے مستند خاندانوں میں سے ایک سید احمد عرف شاہجی بابا اور دوسرا خاندان سید محمد شفیع (م ۱۷۸۳ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اوّل الذکر سید احمد عرف شاہجی بابا کے پیر محترم حضرت سید معصوم شاہ حافظ رحمت خاں کے پیر تھے، بڑے نیک خصلت، اہل باطن، عقل و دانش میں منفرد زمانہ اور تہور و مردانگی میں یگانہ روزگار تھے، سادات ترمذ میں سے تھے، سادات ترمذ سید محمد ترمذ صاحب مدنی ابن سید حسام الدین خلف سید شاہ ناصر علیہ الرحمہ کی نسل سے ہیں، جن کا آبائی سلسلہ ابو عبد اللہ حسین اصغر بن امام زین العابدین بن سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ شہید کربلا تک پہنچتا ہے، سید حسن ابن سید موسیٰ ابن سید علی ابن ابو عبد اللہ حسین اصغر مدینہ منورہ سے ترک سکونت کر کے ترمذ چلے گئے تھے، ان کے فرزند سید محمد جو ہمراہ تھے شاہ ناصر ترمذی کے نام سے مشہور ہوئے اور حسین اصغر جو سادات مدینہ منورہ کے بنی حسین کہلائے، ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔

یہ خاندان ترمذ سے منتقل ہو کر روہیلہ دار الحکومت آنولہ میں قیام پذیر ہوا، آنولہ ریلوے اسٹیشن سے جو سڑک آنولہ کی آبادی کی طرف جاتی ہے اس پر ڈاک بنگلہ کے قریب سید احمد صاحب کے شکستہ قلعہ کے آثار پائے جاتے ہیں، یہ قلعہ حافظ رحمت خاں نے سید احمد صاحب کو نذر کیا تھا۔

نواب خیر اندیش خاں ثانی عہد مغلیہ میں بریلی کے ناظم تھے، انہوں نے ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا، اس کا نام خیر نگر رکھا اس کا قدیمی نام مکرند پور سرکار ہے خیر نگر قلعہ سے ملحق ایک مسجد بھی بنوائی تھی، ۱۷۴۹ء میں علی محمد خاں کے انتقال کے بعد حافظ رحمت خاں نے روہیل کھنڈ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا، اس وقت قلعہ خیر نگر لا وارث پڑا تھا جس کو حافظ رحمت خاں نے اپنے پیر و مرشد سید محمد معصوم ترمذی کے تصرف میں دے دیا بعد میں سید محمد معصوم کے پدر بزرگوار حضرت سید احمد عرف شاہ جی بابا بھی تشریف لے آئے اور اس علاقہ کا نام خیر نگر سے نومحلہ ہو گیا، سید احمد عرف شاہجی بابا اور سید معصوم بابا کے مزارات مسجد نومحلہ میں مرجع خلائق ہیں، کتب تاریخ سے سید معصوم شاہ کا ۱۷۷۰ء تک حیات ہونا ثابت ہے، یہ دونوں بزرگ صاحب کشف و کرامت ہونے کے ساتھ صاحب سیف بھی تھے اور حافظ الملک حافظ رحمت کی حکومت میں رسالدار کے عہدہ پر فائز تھے، آپ کی اور سید محمد شفیع کی اولاد سادات نومحلہ کہلاتی ہیں، بریلی کی سرزمین پر ان اشرف و اعلیٰ خاندانوں کو حافظ رحمت خاں نے آباد کر کے مدینۃ الرسول کے انوار بریلی میں روشن

کر دیئے، ان دونوں (سید احمد شاہجی اور سید معصوم ترمذی) بزرگوں نے حافظ رحمت خاں کی طرف سے کئی جنگوں میں سفارت کے فرائض بھی انجام دیئے، چنانچہ والی فرخ آباد نواب قائم خاں بنگش جو خود بھی افغانی تھے، ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کی سازش کا شکار ہوئے اور حافظ رحمت خاں سے آمادۂ جنگ ہوئے، حافظ رحمت خاں نے اتمام حجت کے لیے سید احمد شاہ المعروف شاہجی بابا والد سید معصوم شاہ کو جو ولی کامل بزرگ تھے، مع دو علمائے باعمل کے ساتھ قائم خاں بنگش کے پاس بھیجا تا کہ ان کو سمجھا بجھا کر جنگ سے باز رکھا جائے، شاہجی قائم خاں بنگش کے پاس گئے اور ارادہ جنگ ترک کرنے کی نصحت کی لیکن قائم خاں راضی نہ ہوا بلکہ بہت اہانت آمیز طریقہ سے ان کے ساتھ پیش آیا، شاہ جی بابا اس سے ناراض ہو کر حافظ رحمت خاں کے پاس واپس آئے اور قائم خاں کے ساتھ ہوئی گفتگو کو دہرا کر پیش گوئی فرمائی کہ آپ پوری خاطر جمعی کے ساتھ جنگ کیجئے ان شاء اللہ فتح وفیروزی نصیب ہوگی کیونکہ جب میں مخالفین کے پاس سے رخصت ہوا تو میں نے قائم خاں بنگش اور دیگر مخالفین کے جسموں پر سر نہیں دیکھے ہیں، چنانچہ سید شاہ جی بابا کی نگاہ ولایت نے جیسا دیکھا تھا وہی ظہور میں آیا قائم خاں اور اس کے ساتھی جنگ میں قتل ہوئے حافظ رحمت کو فتح ونصرت حاصل ہوئی اور بدایوں پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

اس خاندان کے آخری نور سید یحیٰ میں عرف مجو میاں صاحب ابن سید محمد لطیف صاحب تھے سید صاحب کے فرزند سلطان احمد نے عین عالم جوانی میں انتقال کیا مدفن الہ باد ہے۔ سید محمد یحیٰ صاحب نور واخلاق محمدی کی نشانی تھے ۲۶ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۹ مارچ ۱۹۱۱ء بروز منگل وصال کیا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے قبر میں اتارا اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ اس خاندان کی ایک بزرگ خاتون سیدہ افضال بیگم بنت سید عبد اللطیف ہمشیرہ سید محمد یحیٰ میاں عرف مجو میاں تاحیات نو محلہ میں مقیم رہیں، یہ مکان کستور با گرلس انٹر کالج کی مغرب کی جانب کالج کے برابر میں ہے، اب اس مکان میں پشتینی کرایہ دار اسمٰعیل صدیقی کی اولادیں معمولی کرایہ پر رہ رہی ہیں، سیدہ افضال بیگم کی ایک دختر سیدہ منظور بی بی کا عقد مارہرہ مقدسہ کے معزز وموقر خاندان سادات کے چشم وچراغ تاج العلماء حضرت محمد میاں علیہ الرحمہ کے ساتھ ہوا تھا، حضرت مولانا مفتی محمد میاں کو شاندار علمی ادبی اور مذہبی کارناموں کی بدولت تاج العلماء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، تقویٰ و پرہیزگاری، علم اور اہل علم سے محبت کی وجہ سے آپ ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، وہ ایک مہربان اور مشفق مرشد بھی تھے اور مضبوط اصول وضوابط والے قائد بھی تھے بعد وصال مارہرہ میں تدفین عمل میں آئی، منظور بی بی صاحبہ لاولد تھیں آپ کا وصال بھی مارہرہ مقدسہ میں ہوا اور وہیں تدفین ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ کستور با گرلس انٹر کالج، ڈاکٹر پرویز صدیقی کا اسپتال، اسلامیہ انٹر کالج، اسلامیہ گرلز انٹر کالج، گورمنٹ انٹر کالج، سٹی پوسٹ آفس، آریہ سماج اناتھالیہ (یتیم خانہ) ضلع اسپتال وغیرہ سادات نو محلہ کی جاگیر تھی، تقسیم ہند کے بعد بچے کھچے سادات نو محلہ کی بڑی تعداد پاکستان چلی گئی، کستور با گرلز انٹر کالج اور ڈاکٹر پرویز صدیقی کا اسپتال اور دیگر علاقہ کسٹوڈین میں چلا گیا، کستور با گرلس انٹر کالج کسٹوڈین سے حضور مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی ذاتی رقم سے خرید لیا تھا جو آج تک ان کی ملکیت ہے، ڈاکٹر پرویز صدیقی والا مکان کسی دوسرے شخص نے کسٹوڈین سے خرید لیا تھا بعد میں ڈاکٹر پرویز صدیقی نے خرید کر اسپتال قائم کیا سیدہ منظور بی صاحبہ زوجہ تاج العلماء سید محمد میاں کے خالہ زاد بھائی سید شجاعت علی روڈ ویز میں ملازم تھے، بی بی سیدہ منظور فاطمہ نے کچھ جائداد کا پٹہ ان کے نام کر دیا تھا، سید شجاعت حسین نے روڈ ویز کی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد آخری عمر میں ساری جائداد فروخت کر دی تھی، سیدہ افضال بیگم کی رشتہ کی ایک بہن جھمن بیگم ان کے ساتھ رہتی تھیں، بعد میں محلہ قرولان میں سکونت پذیر ہو گئی تھیں ان کے فرزند سید اقبال یوسف بقید حیات ہیں، ستر برس سے زیادہ عمر ہے، اسکول میں ٹیچر تھے، خوش وضع، خوش خصال، خوش اخلاق اور باوقار شخصیت کے مالک ہیں۔

ثانی الذکر سید محمد شفیع ۱۷۸۳ء کا خاندان بھی سادات نو محلہ کا

موقر ومعزز خاندان ہے، آپ کا کاندان بھی نواب حافظ رحمت خاں کی نوابی کے عہد میں بریلی آ کر آباد ہوا، آپ کے فرزند سید امیر علی عرف میرن شاہ ۱۷۷۶ء تا ۱۸۶۶ء شریف النفس تقویٰ شعار نیک اور ولی صفت انسان تھے، آپ کا سلسلۂ نسب تقریباً تیس واسطوں سے سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

امام احمد رضا کے دادا پیر

حضرت میرن شاہ قدس سرہ کو عارف معارف سید شاہ شمس الدین آل احمد اچھے میاں صاحب مارہروی سے خلافت حاصل تھی، آپ کو حضرت آل احمد اچھے میاں صاحب نے صاحبزادے کی ولادت کی بشارت دی اور صاحبزادے کا فضل غوث نام رکھا اور اپنی کلاہ شریف اور دیگر تبرکات عطا فرمائے، گیارہ سال کی عمر میں پیران پیر دستگیر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روحانی ملاقات میں اپنا فرزند اور مرید قرار دے کر حقائق، معارف سے سینہ معمور فرمایا، اس کے علاوہ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز نے آپ کو تخلص ساقی عطا فرمایا۔

حضرت ساقی نے بچپن مین قرآن مجید ناظرہ اور گلستاں سعدی کا دیباچہ پڑھ لیا تھا، اس کے علاوہ آپ نے ظاہری تعلیم حاصل نہ کی لیکن علم لدنی کا ایسا خزانہ آپ کو ملا تھا کہ علما فضلائے عصر آپ کی خدمت مین مسائل شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت میں تسکین خاطر حاصل کرتے تھے، ۱۸۴۸ء میں آبائی مکان واقع محلہ نومحلہ سے محلہ کسگران میں ذاتی مکان تعمیر کرا کر وہاں منتقل ہو گئے تھے، مکان مسکونہ سے ملحق ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی بعد رحلت اسی مسجد کے صحن میں دفن ہوئے، محلہ سوداگران کی گلی کے سامنے پرکاش فوٹو اسٹیٹ کی دکان کے پیچھے گلی میں اب یہ مسجد میدان میں تبدیل ہو چکی ہے اور اس ولی کامل کی قبر کوڑے کے ڈھیر میں گم ہو گئی ہے، حضرت عالم لدنی تھے آپ نے اردو، فارسی، ہندی کی تین چار سو تصنیفات چھوڑی ہیں، آپ کے خاندان کے کچھ لوگ ابھی بھی بریلی میں موجود ہیں لیکن اس عظیم روحانی شخصیت کی مسجد ومزار ان کی عدم توجہی اور غفلت کا شکار ہیں، کوئی فاتحہ تک پڑھنے نہیں آتا۔

جنگ آزادی میں سادات نومحلہ کا حصہ اور انگریز کے مظالم

سادات نومحلہ نے علمی، ادبی، مذہبی کارناموں کے ساتھ ساتھ ملک کی جنگ آزادی میں بھی کلیدی کردار ادا کیا، چنانچہ ۱۸۵۷ء میں امام العلماء مولانا رضا علی جد امجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کی سرپرستی اور نبیرۂ حافظ الملک حافظ رحمت خاں جناب خان بہادر خان شہید کی قیادت میں انگریزی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو سادات نومحلہ نے اپنے اجداد اور خان بہادر خان کے جد امجد حافظ رحمت خاں سے خاندانی، روابط اور احسان مندی کی وجہ سے اور وطن عزیز کی محبت میں خان بہادر خان کی مدد وتعاون کا کامل یقین دلایا اور کھل کر انگریزوں کے خلاف خان بہادر خاں کا ساتھ دیا، محلہ نومحلہ اور مسجد نومحلہ انقلابیوں کی سرگرمیوں کا مرکز تھی، انگریزوں کے خلاف بغاوت میرٹھ سے شروع ہوئی اور پورے ملک میں پھیل گئی، لیکن یہ بغاوت ناکام ہو گئی صرف بریلی (روہیل کھنڈ) میں امام العلماء مولانا رضا علی خان کی فراست ودانش مندی، خان بہادر خاں کی قیادت اور سادات نومحلہ کی مدد وتعاون کی بدولت کامیاب ہوئی اور بریلی پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا، شہر کی اکثریت خان بہادر خاں کو نواب منتخب کرنا چاہتی تھی، لیکن مبارک شاہ خاں جو بریلی کے اہم پٹھان رہنما تھے، دولت وشہرت کے سبب ان کا بہت اثر تھا، وہ بھی نوابی کے دعوے دار تھے لیکن سادات نومحلہ کی خان بہادر خاں کی حمایت کی وجہ سے مبارک شاہ نے اپنی دعویداری واپس لے لی اور خان بہادر خاں روہیل کھنڈ کے نواب قرار پائے، علاقہ روہیل کھنڈ میں خوش حالی نے اپنے قدم جما لئے، لیکن افسوس یہ خوش حالی عارضی ثابت ہوئی، تلوار بندوق کا مقابلہ نہ کر سکی، بریلی اور اس کے نواحی علاقوں پر پھر انگریز کا قبضہ ہو گیا، خان بہادر خاں گرفتار ہوئے اور ۲۴ رمارچ ۱۸۶۰ء کو پرانی کوتوالی پر ان کو پھانسی دے دی گئی، مکانوں کو لوٹا گیا۔

سادات کی خواتین کو بیوہ، بچوں کو یتیم اور سیکڑوں سادات کو خانماں برباد کیا گیا، پورے علاقہ کو ظلم وستم کی چکی میں پیسا گیا، قتل وخون کا بازار گرم ہوا، پورا نومحلہ برباد کر دیا گیا، صرف نومحلہ

مسجد چھوڑ دی گئی، برٹش جاسوس انقلابیوں کو گرفتار کرا رہے تھے اور سزا دلوا رہے تھے، کسی کو اپنی صفائی کا موقع تک نہیں دیا گیا، مقدمہ چلائے بغیر لوگوں کو گولی ماردی جاتی تھی یا پھانسی پر چڑھا دیا جاتا تھا، نومحلہ کے ایک بڑے مکان میں پچاس ساٹھ مجاہدین جمع تھے، انگریزوں کی ۹۳ ریجمنٹ نے اس مکان کو گھیر لیا اور انگریز حاکم میکڈونالڈ کے حکم پر مکان میں آگ لگا کر سارے مجاہدین کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سادات نومحلہ کے ایک بزرگ سید آل محمد، مقیم کراچی نے مشہور ادیب سید مصطفیٰ علی کو بتایا کہ:

"میرے (سید آل محمد کے) والد سید احمد حسن مرحوم ومغفور ایک دن گورمنٹ ہائی اسکول بریلی کے وسیع وعریض احاطہ سے گزر رہے تھے تو آپ نے ایک کھجور کے درخت کی طرف باچشم تر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ درخت ہمارے مکان کے عالی شان دروازہ کے باہر تھا، انگریزی فوجیں شہر میں داخل ہوئیں ستراسی کے قریب مستورات نوحلہ کے عظیم الشان کوئیں میں گر کر شہید ہوگئیں، ایک خاتون کسی نہ کسی شکل میں بچ کر نکل بھاگیں گود میں خورد سال بچہ تھا شہر سے باہر کسی گاؤں میں پہنچیں تو کچے کوئیں میں گر پڑیں کچھ خدا ترس لوگوں نے نکال کر پناہ دی امن قائم ہونے پر واپس آئیں، انہوں نے اپنے بچہ کی خالص اسلامی طرز پر پرورش کی۔"

اس زمانہ میں لوگ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے بیٹے فیروز شاہ کی دلیرانا سرگرمیوں سے بہت متاثر تھے، اس لیے اس بچہ کا نام فیروز شاہ رکھا گیا، مرحوم بہت اعلیٰ درجہ کے تیراک تھے، برسات کے موسم میں بریلی سے گزرنے والی قلعہ ندی طغیانی پر ہوتی تھی تو کمالات فن کا اکثر مظاہرہ کرتے تھے، اسی خاندان کے ایک اور بزرگ سید اسمٰعیل شاہ میاں مسجد نومحلہ میں اذان دیتے ہوئے شہید ہوئے، بیک وقت ۱۴ رسنگینیں ان کے جسم میں پیوست کردی گئیں لیکن جب تک سانس رہی اذان دیتے رہے اور دوران اذان گر پڑے اور شہید ہوگئے۔

سید میاں جان، سید میرن جان، سید فیض اللہ، مفتی سعید احمد وغیرہ سادات نومحلہ کے قائدین میں تھے، سادات نومحلہ نے آخری دم تک خان بہادر خاں کا ساتھ دے کر اپنے عہد کا ایفا کیا اور انگریزی فوجوں کے خلاف لکھنیا کے آخری معرکہ میں اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ اپنی جان مال کی قربانیاں پیش کیں۔

سید واصل شہید المعروف بہ پہلوان شاہ بابا سادات نومحلہ کے فرد تھے، آپ کا مزار شریف ناولٹی سنیما کے سامنے ہے، خدا رسیدہ ولی کامل تھے، آپ نے انگریزی حکومت کے خلاف اپنے مریدوں کو صف آرا کیا، جہاں آپ کا مزار شریف ہے، وہی آپ کی قیام گاہ تھی، انگریزوں کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے، قیام گاہ پر ہی آپ کی تدفین عمل میں آئی انگریزی فوج نے اس علاقہ کو تباہ کردیا تھا مزار شریف کے اردگرد عمارتیں تباہ کر کے میدان بنادیا تھا کافی عرصہ تک یہ علاقہ ویران پڑا رہا کچھ زمین مافیا کی بدنگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں تو معززین شہر مثلاً خان بہادر رحیم داداخان وغیرہ کی درخواست پر سیدہ افضال بیگم صاحبہ جو اس جگہ کی مالک ومتولی تھیں نے ۵ رجون ۱۹۴۱ء کو مزار واصل شہید اور اس سے متعلقہ آراضی گورستان کو وقف کردیا تھا اور اس کا نگراں خان بہادر رحیم داداخان کو مقرر کردیا تھا جو پہلے سے ہی مسجد نومحلہ اور اس سے ملحق گورستان کے نگراں تھے۔

(وقف نامہ کی زیراکس کاپی مملوکہ راقم السطور)

اس طرح سادات نومحلہ پر قیامت صغریٰ نازل ہوئی، مقتولین کے ڈھیر لگ گئے، سادات نومحلہ کے بیشتر افراد شہید ہوئے، جو بچے وہ روپوش ہوگئے، موضع کلیان تحصیل آنولہ میں سادات نومحلہ کے بعض افراد نے پناہ لی بعض شہر بریلی کے محفوظ گوشوں میں گمنام ہوگئے اور بعض امن قائم ہونے کے بعد واپس آگئے، سادات نومحلہ کی بہادر خاتون کا گھرانا نومحلہ میں ہی قیام پذیر رہا، نومحلہ کا گورستان نہ معلوم کتنے بے کفن شہدا کا مدفن ہے، آج جن کے نام سے بھی ہم واقف نہیں۔

نومحلہ کی وجہ تسمیہ

محلہ نومحلہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لوگوں کی مختلف رائے ہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زمانہ قدیم میں محلوں کے نام ایک

محلہ دو محلہ اور تین محلہ ہوتے تھے، اسی نسبت سے اس علاقہ کا نام نو محلہ ہوا لیکن تاریخی اعتبار سے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس طرح کے نام تاریخ میں کہیں اور نہیں ملتے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہاں کا رقبہ بہت وسیع تھا اور یہاں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر نو محل تھے اس لیے اس کا نام نو محلہ پڑا اور یہ قرین قیاس بھی لگتا ہے کیونکہ سٹی پوسٹ آفس، کستوربہ گرلس کالج، ضلع اسپتال کا ائیسولیشن وارڈ اور گورمنٹ انٹر کالج کی ہر ایک عمارت ایک ہی طرز تعمیر کی تھیں، جو راقم الحروف نے اپنے زمانہ طالب علمی میں دیکھی تھیں، ضلع اسپتال کا آئیسولشن وارڈ اور گورمنٹ انٹر کالج کی پرانی عمارت کی جگہ نئی عمارتیں تعمیر ہو چکی ہیں لیکن سٹی پوسٹ آفس اور کستوربہ گرلس انٹر کالج آج تک تقریباً اپنی قدیمی حالت میں موجود ہیں، اس لیے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس علاقہ میں نو محل ہونے کی وجہ سے اس کا نام ''نو محلہ'' ہوا۔

مسجد نو محلہ

۲۸ر فروری ۱۹۵۰ء اور ۲۳ر جولائی ۱۹۵۵ء کو دو درخواستیں سنی سینٹرل وقف بورڈ لکھنؤ کو سیدہ افضال بیگم صاحبہ اور دیگر معززین شہر کی جانب سے مسجد نو محلہ کی تولیت تبدیل کیے جانے کی غرض سے بھیجی گئی تھیں (درخواستوں کی زیراکس کاپی مملوکہ راقم السطور) درخواستوں میں کہا گیا ہے کہ مسجد نو محلہ میرے (افضال بیگم) جد امجد سید احمد شاہ جی بابا نے تعمیر کرائی تھی، یہ بات صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ مسجد نواب خیر اندیش خاں جو عہد مغلیہ میں بریلی کے ناظم تھے، انہوں نے تعمیر کرائی تھی، ہمارے اس وعدے کو درج ذیل دلائل کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔

(۱) زمانۂ قدیم میں یہ روایت تھی کہ مسلم حکمراں یا ان کے حکام جب کوئی شاندار عمارت، قلعہ یا خانقاہ وغیرہ تعمیر کراتے تھے تو عمارت کے اندر یا اس کے قریب مسجد کی تعمیر لازمی طور پر کرائی جاتی تھی تاکہ نمازوں کی باجماعت ادائیگی میں کوئی دقت و پریشانی نہ ہو، اس روایت کے مطابق نواب خیر اندیش نے قلعہ کے ساتھ مسجد کی بھی تعمیر کرائی۔

(۲) سطور بالا میں ذکر آچکا ہے کہ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں نے اپنے دور اقتدار میں روہیل کھنڈ میں بسنے والے سادات کو جاگیریں وغیرہ نذر کی تھیں اور مساجد و مدارس وغیرہ تعمیر کرائے تھے، سید احمد عرف شاہجی بابا ان کے پیر طریقت سید معصوم بابا کے پدر بزرگوار تھے اور حافظ رحمت خاں جیسے غیور افغانی نواب کی غیرت کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ ان کے دور اقتدار میں ان کے پیر کے والد کو اپنی ذاتی رقم سے مسجد تعمیر کرانا پڑے، اس لیے یہ بات صاف ہے کہ مسجد شاہ جی بابا نے تعمیر نہیں کرائی بلکہ وہ پہلے سے ہی موجود تھی، نواب خیر اندیش نے تعمیر کرائی تھی۔

(۳) سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسجد نو محلہ کی طرز تعمیر مغلیہ دور کی طرز تعمیر کی گواہی دے رہی ہے چونکہ نواب خیر اندیش اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں بریلی کے ناظم تھے اورنگ زیب عالمگیر کی وفات ۴ر مارچ ۱۷۰۷ء کو ہوئی لہٰذا مسجد نو محلہ کی تعمیر اس سے پہلے ہوئی ہوگی، ۱۹۴۹ء میں حافظ رحمت خاں برسر اقتدار آئے اس وقت قلعہ خیر نگر لاوارث پڑا تھا، اگر قلعہ خیر نگر کی تعمیر آبادی اور ویرانی کی مدت ۶۰ر سال فرض کر لی جائے تو سن تعمیر ۱۷۶۰ ہوتی ہے، یہ سن نواب خیر اندیش کے آغاز نظامت کا ہو سکتا ہے، قیاس کہتا ہے مسجد نو محلہ کی تعمیر سترہویں صدی کی آخری دہائیوں میں ہوئی، اس طرح یہ مسجد تین سو سال پرانی ہے، دراصل تعمیر مسجد کی تاریخ میں غلط فہمی تاریخ تعمیر مسجد کا کتبہ نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی، اگر کتبہ تاریخ تعمیر ہوتا تو کوتنازعہ نہ ہوتا۔

مسجد نو محلہ کی طرز تعمیر مغلیہ عہد کی گواہی دیتی ہے، اس کی طرز تعمیر بریلی کی دیگر مساجد سے منفرد ہے اور اس کی امتیازی حیثیت کئی وجہ سے ہے، مسجد کی تعمیر اونچی کرسی پر نہ ہو کر نیچی کرسی پر ہوئی ہے، اس لیے اس کا پیش منظر بلند رکھنا مناسب نہ تھا، دروازہ کو بلند اسی وجہ سے نہیں رکھا گیا مسجد چھوٹی محرابوں سے نہ صرف چھت کے وزن کو تقسیم کیا گیا بلکہ اندرونی حسن کاری میں تاثر پیدا کیا گیا ہے، چونکہ مسجد کی کرسی نیچی ہے اس لیے اس کا پیش منظر بلند رکھنا مناسب نہیں تھا، چھوٹی بڑی محرابوں کی تعمیر مغل طرز تعمیر کا طرۂ امتیاز ہے، مغل سنگ سرخ اور سنگ مرمر

کے دلدادہ تھے لیکن بریلی میں اس وقت سنگ سرخ اور سنگ مرمر دستیاب نہیں تھا، اس لیے محرابیں اینٹوں کی دیواروں پر سرخی چونے کے مصالحے سے تعمیر کی گئیں، مسجد کے پیازی شکل کے گنبد مغلیہ فن کاری کا بہترین نمونہ ہیں، مسجد کا صحن پختہ ہے، صحن سے ملحق جانب شرق گورستان ہے، جمعہ کے خطبہ کی آذان کے لئے صحن کے کنارے سیڑھیوں پر بنا چھوٹا سا چبوترہ ہے، مسجد کے مینار بھی مغلیہ دور کی آرٹ کا امتیازی نمونہ ہیں، ان کو بھی خشت و چونے سے بنایا گیا ہے اور سرخی چونے کے دبیز پلاسٹر پر نقاشی کی گئی ہے، مسجد میں حوض بھی ہے جو مسجد کی قدامت کو ظاہر کرتا ہے۔

مسجد نومحلہ کے صحن میں جناب سید احمد شاہ عرف شاہجی بابا اور آپ کے فرزند سید معصوم شاہ بابا اور دیگر سادات نومحلہ کے مزارات ہیں، مسجد کے مشرقی گورستان میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بزرگ مولوی ناصر الدین انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے، آپ کا وطن ضلع سہارنپور تھا، آپ کا عرس رمضان شریف میں بڑے دھوم دھام سے منعقد ہوتا ہے، مرزا نظیر بیگ نائب تحصیلدار بریلی کی کوشش سے اگلا دالان بنا، کچھ عرصہ بعد کلیتاً خان بہادر رحیم دادا خاں کی مالی مدد سے وسیع و فراخ احاطہ اور پختہ و خوش گوار حوض تیار کرایا گیا، ابتدا میں حوض ایسا نہ تھا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ نومحلہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انقلابیوں کا مرکز تھا اور مسجد نومحلہ میں جمعہ کے دن اور دیگر ایام میں انگریزوں کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعہ آتش حریت بھڑکائی جاتی تھی، اسی مسجد میں انگریزوں کے خلاف فتوے جہاد کا اعلان ہوا، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی میاں جان، امام العلماء مولانا رضا علی خاں، رئیس الاتقیاء مفتی نقی علی خاں وغیرہ کے فتویٰ جہاد پر دستخط تھے، عوام نے اس فتویٰ جہاد کا اثر قبول کیا اور پورے عزم و ولولے کے ساتھ میدان جہاد میں کودنے کو تیار ہو گئے، حالات انگریزوں کے خلاف دیکھ کر انگریزی دلال مولوی احسن نانوتوی نے موقع پا کر مسجد نومحلہ کے مجمع کثیر میں فتویٰ جہاد کے خلاف اور انگریزوں کی حمایت میں تقریر کی، بلی تھیلے سے باہر آ چکی تھی، چنانچہ امام العلماء کی تحریر پر مولوی احسن نانوتوی کا بائیکاٹ کیا گیا، مسلمان اتنے بیزار ہو گئے تھے کہ ان کو ٹھکانے لگا دیتے مگر انگریزوں کی حمایت کی وجہ سے بدر الدین کوتوال نے بریلی سے راہ فرار اختیار کرنے میں ان کی مدد کی اور وہ بریلی سے بھاگنے کو مجبور ہوئے۔

مگر تعجب اور حیرت کی بات یہ ہے کہ بریلی کالج، بریلی کے شعبۂ تاریخ کے پروفیسر ڈاکٹر جوگا سنگھ ہوٹی نے اپنی ہندی تصنیف ''مہا کرانتی نائک خان بہادر خان'' میں کئی جگہ مولوی احسن نانوتوی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے ''مولوی احسن نے ۲۲ رمئی کہ عید سے پہلے بڑی بھیڑ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا برطانیہ حکومت کے خلاف جنگ جائز ہے'' صفحہ ۱۱ رجب کہ حقیقت اس کے خلاف ہے، مولوی احسن نانوتوی کے سوانح نگار پروفیسر ایوب قادری نے اپنی کتاب ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' میں صفحہ ۵۰ رپر لکھا کہ ۲۲ رمئی کو نماز جمعہ کے بعد مولانا محمد احسن نے بریلی کی مسجد نومحلہ میں تقریر کی، اس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے، اسی کتاب میں آگے چل کر انگریز مورخ ہنری جارج کے حوالے سے یہی بات کہی گئی ہے، اگر مولوی احسن انگریز مخالف ہوتے تو انگریزی حاکم بدر الدین کوتوال ان کو راہ فرار اختیار کرنے میں مدد کیوں کرتا، جب کہ انگریز اپنے مخالفین کو گولیوں سے بھون رہے تھے یا پھانسی کے پھندے پر لٹکا رہے تھے، درحقیقت مولوی احسن نانوتوی انگریزوں کے وفادار، نمک خوار اور وظیفہ دار تھے، پروفیسر جوگا سنگھ ہوٹی سے یہی غلطی نہیں ہوئی، اس سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے امام العلماء مولانا رضا علی خاں اور مفتی نقی علی خاں کی جدوجہد آزادی اور کارناموں کا کوئی ذکر نہیں کیا، بہر حال مسجد نومحلہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہی نہیں ہے بلکہ جدوجہد آزادی کی ایک عظیم یادگار بھی ہے اور سادات نومحلہ اور مسلمانان بریلی کے عظمت و وقار کی ایک بڑی علامت بھی ہے۔

مسجد نومحلہ کی تولیت کی تبدیلی کے متعلق جو درخواستیں وقف بورڈ میں دی گئی ہیں، ان کا ذکر کرنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں،

راقم السطور کے پاس دو درخواستوں کی زیراکس موجود ہے، ایک درخواست ۲۸ رفروری ۱۹۵۵ء اور دوسری ۲۳ رجولائی ۱۹۵۵ء کو دی گئی ہے، درخواستوں کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے، درخواستیں سیدہ افضال بیگم کی جانب سے ہیں اور اس کی تائید و حمایت میں معززین شہر و مصلّیان کے علاوہ رئیس اعظم شہر بریلی سردار خان بہادر رحیم دادا خاں کے دستخط ہیں، ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ مذکورہ درخواستوں پر اس وقت کی جماعت رضائے مصطفیٰ کی مہر بھی ہے، درخواستوں میں کہا گیا ہے کہ اس مسجد کو میرے (سیدہ افضال بیگم) مورث اعلیٰ قطب الاقطاب سید شاہجی بابا نے اپنی زمین پر بڑی شان سے بنوایا تھا اور کچھ آراضی قبرستان کے لئے چھوڑی تھی، اس میں شاہجی بابا کا مزار شریف اور سادات کی قبریں ہیں، میرے والد ماجد (افضال بیگم) قبلہ سید مجو میاں علیہ الرحمہ مسجد و مزارات وغیرہ کا انتظام کرتے تھے، ضعیف العمر ہونے پر اپنی سہولت کے لیے جناب سردار خان بہادر رحیم خان کو اس مسجد کا نگراں بنایا اور خود بھی کام کرتے رہے۔

خان بہادر سنی صحیح العقیدہ اور شہر کے رئیس اعظم تھے، انہوں نے بہت دلچسپی سے کام کیا، کیونکہ ان کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، اس لیے ان کے انتقال کے بعد ان کے بھتیجے اور داماد سردار خان بہادر شاکر دادا خاں ان کے جانشین ہوئے، خان بہادر شاکر دادخاں از خود متولی بن گئے تھے لیکن مسجد کا کام بحسن خوبی انجام دیا، انھوں نے اپنی حیات میں کسی کو متولی نہ بنایا کیوں کہ انہیں اس کا کوئی حق نہیں تھا، ان کے انتقال کے بعد ان کی دختر ملکہ پروین شمس آرا بیگم بھی از خود متولی بن گئیں، شہر کے معززین، مصلیان اور میں (افضال بیگم) ان کے متولی بننے سے خوش نہیں ہیں، بلکہ شمس آرا بیگم نے بغیر کسی حق و استحقاق کے غیر قانونی طور پر مسجد نو محلہ کو انجمن اسلامیہ جو وہابیوں اور بدعقیدہ لوگوں کی انجمن ہے، اس کو دے دیا اور وقف بورڈ میں اندراج کرا دیا، جس سے بریلی کے تمام مسلمان اور میں خود بہت ناراض ہوں، یہ مسجد ہمیشہ سے صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کے زیر انتظام رہی ہے، اس لیے مسجد کے تمام مصلیان، معززین شہر اور خود میں نے وقف بورڈ میں تولیت کے خلاف درخواستیں دی ہیں اور اتفاق رائے سے قبلہ مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خاں صاحب جو سنی مسلمانوں کے مذہبی اور روحانی پیشوا ہیں کو متولی منتخب کیا گیا، اس لیے میری اور شہر کے تمام سنی مسلمانوں کی درخواست ہے، مسجد نو محلہ کے متولی کے طور پر مفتی اعظم حضرت مصطفیٰ رضا خاں کا نام درج کیا جائے۔

درخواستوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے قبل بھی وقف بورڈ سے خط و کتابت کی گئی اور وقف بورڈ نے جانچ وغیرہ بھی کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، مسجد آج بھی انجمن اسلامیہ کے زیر انتظام ہے، اس کی آمدنی بھی وہی وصول کرتی ہے، ہاں امام سنی صحیح العقیدہ مقرر ہوتے رہے ہیں۔ □□□

ص ۵۸ رکا بقیہ.....

تھی تاب کس میں انھیں دیکھ پاتا جی بھر کے
وہ والضحیٰ سے ضیا بار ایسا چہرہ تھا

خدا کی دید سے آنکھیں تھیں ان کی یوں سرشار
ہر ایک غیب شہادت کا درجہ رکھتا تھا

اندھیرا ہو کہ اجالا وہ دیکھتے یکساں
یوں رب کے فیض کا آنکھوں میں آنا جانا تھا

جبین پاک تھی ان کی کشادہ نورانی
چمک تھی ایسی کہ جیسے چراغ جلتا تھا

بیان ایسا کہ رس گھولتا تھا کانوں میں
زبان ایسی کہ ہر بے زباں بھی شیدا تھا

وہ جب بھی بولتے جھڑتے تھے ہونٹ سے موتی
حلاوتوں کا یہ عالم کہ شہد پھیکا تھا

جمائی آتی نہیں تھی کبھی شہ دیں کو
دہن میں ان کے یوں پاکیزگی کا پہرا تھا

تھیں گوشت سے بھر چوڑی ہتھیلیاں ان کی
ہویدا اس میں دو عالم کا ذرّہ ذرّہ تھا

ملیں کبھی مجھے نعلین ان کی قدسی کہوں
نصیب ور ہوں رہوں گا، نصیب والا تھا

□□□